Vol. 4 No. 1 (2026)

Liberal Journal of Language & Literature Review
Print ISSN: 3006-5887
Online ISSN: 3006-5895
https://llrjournal.com/index.php/11

اختر حسین جعفری کی شاعری میں سمعی تمثال نگاری

AUDITORY IMAGERY IN AKHTAR HUSSAIN JAFFREY'S POETRY

Tabassum Shaheen[*1]
تبسم شاہین
[*1]Ph.D Scholar Northern University, Nosherhra
پی ایچ ڈی سکالرنادرن یونی ورسٹی، نوشہرہ

Dr. Nazr e Muhammad Abid[2]
ڈاکٹر نذر محمد عابد
[2]Urdu Department, Northern University, Noshehra
شعبہ اردو، نادرن یونی ورسٹی نوشہرہ

Liberal Journal of Language & Literature Review
Print ISSN: 3006-5887
Online ISSN: 3006-5895

DOI: http://doi.org/10.5281/zenodo.21427864

Abstract

Sensory experience is an effective imagery practice to draw readers into poetic experience. The poet uses different kind of images to explain thoughts, feelings, sentiments, experiences, incidents and scenes in poetry. Akhtar Hussain Jaffery's poetry is full of all kinds of imagery. His poems contain best example of auditory imagery. He used different images to create sounds and provoke the sense of auditory of the reader. This aspect of his poetry has been discussed and analyzed in this article.

Keywords: *Image, auditory, poems, aspect, provoke, senses, sentiments, thoughts.*

کلیدی الفاظ: تصویر ،سمعی، بیدار، مناظر، نظم ،پہلو ، خیالات، جذبات

شاعری میں لفظی تصویریں امیج کہلاتی ہیں۔ شاعر جب موضوعات، خیالات، تجربات، مشاہدات، جذبات و کیفیات کو خوبصورت تخیل کی مدد سے پیکروں میں ڈھالتا ہے اس ے امیجری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ عمل روایت و حدت کے بندھن سے جڑا ہوتا ہے اور معنی و مفہوم کا ایک نیا جہاں آباد کرتا ہے۔ خصوصاً شاعری میں سمعی تمثال نگاری ادب اور فنی حوالے سے ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے مراد وہ ادبی اسلوب ہے جس میں شاعر یا ادیب قاری کو آوازوں کے جہاں کی سیر کرواتا ہے تاکہ قاری اس کیفیت، منظر یا جذبے کو مؤثر طور پر محسوس کر سکے۔ شاعری میں آواز محض صوتی کیفیت نہیں بلکہ ایک جذباتی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ "مراۃ الشعر" میں آواز کی اس خصوصیت کے بارے میں بیان ہے:

> "الفاظ کی دو جہتیں ہیں: اول صوت جو الفاظ کی اصل ہے، اگر وہ نہ ہو تو الفاظ کا وجود ہی نہ ہو اور صوت کی دل کشی و روانی صوت کا حسن ہے اور وہی ترتیب و تناسب کو پہنچ کر نغمہ کہلاتی اور الفاظ کو موزونیت کے قالب میں ڈھالتی ہے جس پر آدمی ہی نہیں حیوان تک بھی شیدائی بن کر بلبلا اٹھتے ہیں، سانپ مست ہو کر سر دھنتا ہے اور منزل کا مارا اونٹ حدی سنتا ہے اور تازہ دم ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں ایزاہم بن مہدی جب گاتا تھا توآس پاس کے جانور سمٹ کر اس کے قریب آجاتے تھے، وحشی بھی دم مارنا بھول جاتے تھے۔ روتے ہوئے بچوں کو ماں، بہن، دائی جب کندھے سے لگا کر گنگنانے لگتی ہیں تو وہ بھی ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور آرام پاکر سو جاتے ہیں ۔غرض یہ کہ آدمی حسن صورت اور کلام موزوں سے اثر پذیر ہوتا ہے"(۱)

اس اقتباس سے ظاہر ہوا کہ شاعر اپنی نظموں میں اثر پذیری کے لیے ایسے آوازوں کے امیج بناتا ہے جو قاری کے دل کو چھو جائیں اور اس پر بھی وہی سرشاری کی کیفیت طاری کر دیں جس کا تجربہ خود شاعر نے کیا ہے۔ اختر حسین جعفری کی شاعری میں بھی سمعی تمثالیں قاری کے تخیل کو فعال کرنے کے لیے موجود ہیں ۔ ایک نظم میں وہ لکھتے ہیں:

آبِ رواں کی صبح خیاباں سے سرگوشی
تو افلاک میں موج موج سر کرتے تاروں
قلزم پار اترتے ملاحوں کی فتح کانغمہ
اس نغمے کی ناؤ جب کل کے ساحل
پر ٹھہرے گی
بچے شور کریں گے
دیکھو دور دیس سے نئے کھلونے
ہیرے، موتی

رنگ برنگے کاغذ کے تھیلوں میں
بھر کر آئے ہیں
جن پر کوئی محافظ پہرے دار نہیں (۲)

یہ نظمیہ اقتباسی ایک روشن اور پُرامید مستقبل کی تصویر پیش کرتا ہے۔ شاعر نے سمعی تمثال نگاری کے ذریعے ایک زندہ ،متحرک اور خوش کن فضا پیدا کی ہے۔ سب سے پہلے سمعی تمثال "سرگوشی" کے لفظ میں پنہاں ہے اس سے دھیمی، گرم اور پراسرار آواز کا احساس پیدا ہوتا ہے جیسے صبح کی ہوا آہستہ آہستہ کوئی پیغام سنا رہی ہو۔ یہ لفظ ماحول میں لطافت اور تازگی پیدا کرتا ہے ۔اسی طرح "ملاحوں کی فتح کا نغمہ" ایک پُرجوش اور ولولہ انگیز سمعی تمثال ہے۔ اس سے کامیابی، مسرت اور جدوجہد کے بعد حاصل ہونے والی فتح کی اجتماعی آواز سنائی دیتی ہے گویا سمندر میں محنت کرنے والوں کی خوشی گیت کی صورت میں گونج رہی ہے۔ پھر شاعر کہتا ہے "بچے شور کریں گے" یہ مصرعہ معصوم خوشی، جوش اور زندگی کی روانی کا آئینہ دار ہے۔ بچوں کے شور میں مستقبل کی امید، بے ساختہ مسرت اور جشن کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ ان تمام سمعی تمثالوں کے ذریعے شاعر نےلفظوں کو محض خیالی منظر تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہیں سننے کے قابل بھی بنا دیا ہے۔ قاری صرف مناظر نہیں دیکھتا بلکہ سرگوشیاں، نغمے اور بچوں کا شور بھی محسوس کرتاہے یہی سمعی تمثالیں ان استعاروں کی تاثیر اور جمالیاتی حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔اسی طرح اختر حسین جعفری نے نظم "امتناع کے مہینے" میں محرم الحرام کی حرمت کو بیان کرنے کے لیے کچھ یوں سمعی تمثالیں تخلیق کیں:

اس مہینے میں غارت گری منع تھی
پیڑ کٹتے نہ تھے، تیر بکتے نہ تھے
بہرِ پرواز محفوظ تھے آسماں
بے خطر تھی زمین مستقر کے لیے
اس مہینے میں غارت گری منع تھی
یہ پرانے صحیفوں میں مذکور ہے
قاتلوں، رہزنوں میں یہ دستور تھا
اس مہینے کی حرمت کے اعزاز میں
دوش بر گردنِ خم سلامت رہے
کربلاؤں میں اترے ہوئے کاروانوں
کی مشکوں کا پانی امانت رہے
میری تقویم میں بھی مہینہ ہے یہ
کئی تشنہ لب ساعتیں
بے گناہی کے کتبے اٹھائے ہوئے
روز و شب بین کرتی ہیں دہلیز پر
اور زنجیر در مجھ سے کھلتی نہیں
فرشِ ہم وار پر پاؤں چلتا نہیں
دل دھڑکتا نہیں
اس مہینے میں گھر سے نکلتا نہیں (۳)

نظم کے آغاز میں شاعر اس تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ محرم الحرام ان مقدس مہینوں میں سے ہے جن میں عرب معاشرے میں جنگ و جدل، قتل و غارت اور خوں ریزی ممنوع سمجھی جاتی تھی ۔شاعر کے مطابق اس ماہِ مقدس میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ درخت، پرندے اور پوری کائنات امن کی سانس لیتی ہے۔ لیکن جب شاعر کربلا کا ذکر کرتا ہے تو ایک کھلا تضاد سامنے آتا ہے۔ وہ مہینہ جس میں خوں ریزی منع تھی اسی میں نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت پر ظلم ڈھایا گیا۔ شاعر اپنے باطن کو کربلا سے جوڑ دیتا ہے۔ اس کے نزدیک کربلا صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ہر دور میں حق، سچائی، خیر اور قربانی کی جدوجہد کا استعارہ ہے۔ شاعر کی خاموشی اور گھر سے نہ نکلنے کی کیفیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آج کا انسان بھی ظلم کے سامنے خاموش ہے، اس کا ضمیر قید ہے اور وہ کربلا کے پیغام کو سمجھنے کے باوجود عملی جدوجہد سے دور ہے۔ اس نظم میں شاعر نے سمعی تمثال نگاری کے ذریعے درد، خاموشی، خوف اور داخلی کرب کی فضا کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ "روز و شب بین کرتی ہیں دہلیز پر" ساعتوں کا کتبے اٹھا کر بین کرنا ایک طاقت ور سمعی پیکر ہے۔ بین سے مراد اونچی رونے کی آواز ہے یہ لفظ فوراً کربلا کے غم، شہادت کے ماتم اور مسلسل سوگ کی فضا کو ذہن میں تازہ کر دیتا ہے، یوں

قاری دہلیز پر ماتم کرتی ہوئی ساعتوں کی آواز سننے لگتا ہے۔ اسی طرح مصرعہ "اور زنجیر در مجھ سے کھلتی نہیں" زنجیر کا ذکر سننے والے کے ذہن میں دروازے کی زنجیر کی جھنکار، کھنک یا کھلنے بند ہونے کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ یہاں پر آواز صرف مادی نہیں بلکہ باطنی قید، رکاوٹ اور بے بسی کی علامت بن جاتی ہے۔ "دل دھڑکتا نہیں" یہ مصرعہ انسانی وجود کی بنیادی آواز یعنی دل کی دھڑکن کو سامنے لاتا ہے۔ دھڑکن کا رک جانا یا محسوس نہ ہونا شدید غم، خوف اور جمود کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ قاری اس خاموشی میں ایک ایسی المیہ خیز فضا محسوس کرتا ہے جہاں زندگی کی رمق بھی ماند پڑ چکی ہے۔ نظم کے ابتدائی حصوں میں اگرچہ براہ راست آوازوں کا ذکر کم ہے لیکن غارت گری، تیر بکتے نہ تھے اور رہزنوں جیسے الفاظ جنگ و جدال کی ممکنہ آوازوں کی نفی کرتے ہیں یعنی شور ہنگامہ، چیخ و پکار اور اسلحے کی آوازیں موجود نہیں جس سے امن کی خاموش فضا قائم ہوئی ہے۔اسی طرح ایک اور نظم میں اختر حسین جعفری سمعی تمثالیں یوں تخلیق کرتے ہیں:

اکیلی چڑیا! سوال تیرا، ٹپکتی چھت پر قدم دھرے
تو پرانا شہتیر بولتا ہے
اکیلی چڑیا، اکہری چھت ہے
اکہری چھت پر نمی بہت ہے (۴)

یہ مختصر نظم بظاہر ایک سادہ منظر پیش کرتی ہے مگر اس میں سمعی تمثال نگاری نہایت گہرے اور علامتی انداز میں موجود ہے ۔شاعر نے آوازوں کے ذریعے تنہائی، بوسیدگی اور داخلی کرب کو محسوس کروایا ہے۔ سب سے پہلے مصرع میں "اکیلی چڑیا! سوال تیرا" ایک علامتی سمعی پیکر ہے۔ یہاں چڑیا کی آواز دراصل کسی پرندے کی چہچاہٹ نہیں بلکہ سوال بن کر ابھرتی ہے۔ یہ سوال تنہائی، جستجو اور کسی جواب کی تلاش کی علامت ہے، گویا چڑیا کی آواز انسانی دل کی بے چینی اور اندرونی مکالمے کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح ٹپکتی چھت بھی ایک اہم سمعی تمثال ہے۔ پانی کے قطروں کی مسلسل ٹپکنے کی آواز ایک اداس اور تھکی ہوئی فضا پیدا کرتی ہے۔ یہ آواز وقت کے گزرنے کے تسلسل اور زندگی کی خستگی کی علامت بن جاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے "تو پرانا شہتیر بولتا ہے" بے جان شے کا بولنا دراصل مجرد کو مجسم کرنا ہے اور قاری کے ذہن میں لکڑی کی چرچراہٹ کی آواز کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس سے مراد ماضی کی بازگشت، پرانی یادوں کی چھب اور وقت کی تھکن ہے گویا ہر آواز حقیقت میں کوئی واضح گفتگو نہیں بلکہ یادوں اور گزرے وقت کی دھیمی بازگشت ہے۔آخری حصے میں "اکہری چھت" اور "نمی بہت ہے" براہ راست آواز پیدا نہیں کرتے مگر ان کے ساتھ جڑی خاموشی خود ایک سمعی کیفیت بن جاتی ہے۔ ہر خاموشی ایسی ہے جس میں صرف ٹپکنے کی آواز، چڑیا کا سوال اور شہتیر کی بازگشت سنائی دیتی ہے یہاں چڑیا کا سوال، پانی کا ٹپکنا اور شہتیر کا بولنا ایک ایسی علامتی فضا قائم کرتے ہیں جہاں تنہائی بولتی ہے، وقت ٹپکتا ہے اور ماضی سرگوشی کرتا ہے۔ یہی اس نظم کی جمالیاتی خوبصورتی اور گہرائی ہے۔اختر حسین جعفری کی سمعی تمثالیں گہری معنویت کی حامل ہیں۔ "آئینہ خانہ" کی ایک نظم میں وہ لکھتے ہیں:

ایک اور شور قیامت کہ بند قبر کھلے
ایک اور ضرب کہ تمثال دار آئینہ
تمام عکس مکرر ترے رہا کر دے
اک اور ضرب کہ بود و نبود کی تقسیم
اسی فیصل، اسی خشت ماسوا تک ہے (۵)

اس نظم میں سب سے نمایاں سمعی پیکر "شورِ قیامت" ہے۔ یہ محض ایک آواز نہیں بلکہ ایک ہنگامہ، گونج اور کائناتی اضطراب کی علامت ہے۔ اس سے ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جیسے ہر طرف چیخ و پکار، ٹوٹ پھوٹ اور بے چینی کی آوازیں گونج رہی ہوں۔ یہ آواز قاری کو ایک بڑے انکشاف اور ہولناک تبدیلی کے لمحے میں لے جاتی ہے۔ اسی طرح "ضرب" لفظ بھی مضبوط سمعی تمثال ہے۔ ضرب سے ٹکرانے، ٹوٹنے اور کسی سخت چیز پر پڑنے والی چوٹ کی آواز ذہن میں ابھرتی ہے۔ یہاں یہ آواز صرف مادی نہیں بلکہ ایک فکری اور روحانی جھٹکے کی نمائندگی کرتی ہے جو فریب کے آئینہ کو توڑ کر حقیقت کو ظاہر کرتی ہے۔"آئینہ" کےساتھ ضرب کا تعلق بھی سمعی کیفیت پیدا کرتا ہے۔آئینے پر ضرب لگنے سے ٹوٹنے، بکھرنے اور کرچیوں کی جھنکار کی آواز ذہن میں آتی ہے جو عکسوں کے بکھرنے اور حقیقت کے آشکار ہونے کو اور زیادہ مؤثر بناتی ہے۔ مزید یہ کہ "تمام عکس مکرر" کا ذکر ایک طرح کی بازگشت کا احساس دلاتا ہے جیسے ایک ہی آواز بار بار سنائی دے رہی ہو۔ یہ تکرار انتشار اور فریب کی دنیا کی نمائندگی کرتی ہے۔اس نظم میں سمعی تمثال نگاری شور، ضرب، اور بازگشت کے عناصر پر مشتمل ہے۔ شاعر نے ان آوازوں کے ذریعے قیامت خیز فضا، انکشافِ حقیقت اور فریب کے انہدام کو نہایت شدت اور تاثیر کے ساتھ پیش کیا ہے۔اسی طرح اختر حسین جعفری "سدھائے ہوئے پرندے" میں بیان کرتے ہیں:

سوال بچے نے جو کیے تھے
جواب ان کا دبی زباں سے وہی دیا ہے جو مجھ کو
اجداد سے ملا تھا
وہی پرانے سوال اس کے
زمیں اگر خام ہے تو اس پر ہمارے پختہ مکان کیوں ہیں؟
اگر گلابوں کو رنگ خورشید سے ملا ہے
تو دھوپ کا حسن کون سے پھول کی عطا ہے؟
وہی پرانے سوال اس کے
وہی پرانا جواب میرا
وہی گرہ وارِدِ چمن کی صدائے پرواز پر لگا دی ہے
جس کا حلقہ مری زباں پر پڑا ہوا ہے
مجھے یقیں ہے کہ یہ نیا ہم صفیر میرا
مری طرح سے زمین کے شیشے کی شش جہت
سے نہ آگے پرواز کر سکے گا
وہ ایک میٹھی صدا کی ندی
جو رات دن کی جلی زمینوں سے دور
سرسبز جنگلوں میں رواں ہے
نغمے بکھیرتی ہے
کوئی سدھایا ہوا پرندہ نہ اس کے
سربستہ ساحلوں پر اتر سکے گا (۶)

یہ نظم روایت، جمودِ فکر اور آزادیِ اظہار کی کشمکش کو نہایت علامتی اور فکری انداز میں پیش کرتی ہے۔ شاعر ایک بچے کے معصوم مگر گہرے سوالات کا ذکر کرتا ہے جو کائنات اور زندگی کے بنیادی حقائق کو سمجھنے کی جستجو رکھتے ہیں۔ مگر ان سوالوں کے جواب وہی دیے جاتے ہیں جو نسل در نسل منتقل ہوتے آئے ہیں یعنی روایتی، محدود اور غیر تسلی بخش۔شاعر اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ نئے سوالات کے باوجود سوچ میں کوئی تازگی نہیں آتی اور ذہن اسی پرانی زنجیر میں جکڑا رہتا ہے۔ "سدھایا ہوا پرندہ" اس محدود اور تربیت یافتہ ذہن کی علامت ہے جو آزادانہ پرواز نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس ایک ایسی آواز یا ندی کا تصور پیش کیا گیا ہے جو فطری طور پر آزاد اور سرسبز جنگلوں میں بہتی ہے جہاں تخلیقی اظہار اور فکری آزادی موجود ہے۔آخر کار شاعر یہ پیغام دیتا ہے کہ روایت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ذہن نئی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا اور حقیقی ترقی و تخلیق کے لیے آزاد سوچ اور غیر محدود پرواز ضروری ہے۔ "دبی زبان سے جواب دینا" ایک سمعی پیکر ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ سچائی کو پوری آزادی کے ساتھ بیان نہیں کیا جا رہا بلکہ روایت اور خوف کے دباؤ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح "سوال بچے نے جو کیے تھے" میں سوال خود ایک سمعی کیفیت رکھتے ہیں۔ بچے کا سوال کرنا بھی قاری کو چونکا دیتا ہے۔ نظم میں ایک نہایت خوبصورت سمعی تمثال "صدائے پرواز" ہے۔ یہ صرف پرندے کے اڑنے کی آواز نہیں بلکہ آزادی، وسعت اور خود اظہار کی علامت ہے۔ مزید یہ کہ "میٹھی صدا کی ندی" ایک انتہائی دل کش سمعی پیکر ہے۔ یہاں آواز کو ندی سے تشبیہ دی گئی ہے جو مسلسل بہتی ہے اور نغمے بکھیرتی ہے، جو کسی قید یا حد کو قبول نہیں کرتی۔ ندی کا نغمے بکھیرنا واضح سمعی تمثال ہے جو موسیقی، حسن اور تخلیقی آزادی کو ظاہر کرتی ہے، جو اس محدود آواز کے برعکس ہے، جو سدھائے پرندے کی صورت میں سامنے آتی ہے۔اس نظم میں سمعی تمثال نگاری دو متضاد جہتوں میں سامنے آتی ہے۔ ایک طرف دبی ہوئی آوازیں، محدود اظہار اور خاموشی، دوسری طرف میٹھی صدا، نغمہ اور صدائے پرواز۔ یہ تقابل شاعر کو گہرائی عطا کرتا ہے کہ روایت اور جبر آواز کو دبا تے ہیں جبکہ آزادی تخلیق کو نغمہ بار بنا تی ہے۔ اسی طرح "خواہشیں، صدائیں" میں یوں سمعی تمثالیں تخلیق کی ہیں:

دھواں دھواں خواہشیں، صدائیں
ہدف ہدف مستطیل سی روشنی، اندھیرا
اسی اجالے اسی منقش سی تیرگی میں
(جو تیرا زرتار پیرہن ہے، مری طلب ہے)
اسی اجالے کے پیرہن سے ترے بدن کا وصال مانگا

اسی منقش سی تیرگی میں تری جدائی کی صبح دیکھی
دھواں دھواں، خواہشیں، صدائیں
دھواں دھواں خواب خواب میں ساتھ ساتھ چلنا
نہ رخ بدلنا
کہ ہمرہی میں بھی سہ قدم پیش و پس کی گردِسفر
میں چلنے کے مجھ کو آداب آ گئے ہیں (۷)

اس نظم میں سمعی تمثال نگاری نہایت لطیف اور داخلی نوعیت کی ہے۔ سب سے منفرد سمعی پیکر "صدائیں" ہے جو دھواں دھواں خواہشوں کے ساتھ آکر ایک ایسی آواز کا احساس دلاتا ہے جو واضح نہیں بلکہ بکھری ہوئی اور دھند میں لپٹی ہوئی ہے۔ یہ صدائیں دراصل دل کی پکار، ادھورے جذبات اور بے نام خواہشات کی علامت ہیں جو پوری طرح سنائی نہیں دیتیں مگر مسلسل موجود رہتی ہیں۔ پوری نظم میں ایک خاموشی کی آواز محسوس ہوتی ہے۔ روشنی اور اندھیرے کے امتزاج میں جو فضا بنتی ہے اس میں صدائیں دب جاتی ہیں اور یہی دباؤ نظم کی تاثیر میں اضافہ کرتا ہے۔اختر حسین جعفری نے اپنی نظموں میں نہ صرف سمعی تمثالوں کے ذریعے آواز کو محسوس کروایا بلکہ خاموشی اور سکوت کی کیفیت کو بھی قاری محسوس کر سکتا ہے۔ "نومبر کے پہلے ہفتے کی ایک نظم" میں وہ لکھتے ہیں:

خنک ہوا کا برہنہ ہاتھوں سے، زرد ماتھے سے
پہلا پہلا مکالمہ ہے (۸)

اس مصرع میں "خنک ہوا کا مکالمہ" ایک خوبصورت اور منفرد سمعی پیکر ہے۔ مکالمہ عموماً الفاظ اور آوازوں سے وابستہ ہوتا ہے مگر یہاں یہ مکالمہ لفظوں کے بغیر ہے۔ اس سے ایک مدھم، ہلکی سی آواز یا نرم ہوا کی سرسراہٹ سی سنائی دیتی ہے۔ اختر حسین جعفری کے حسین تخیل نے دنیا کے تجربات و احساسات سے ایسی آوازیں تخلیق کی ہیں جو آج تک قاری نے نہ سنی ہوں اور نہ ہی محسوس کی ہوں۔ اختر حسین جعفری کی سمعی تمثالیں بار بار پڑھنے سے ہر بار ایک گہرا مفہوم دیتی ہیں، ایک نیا رخ جلوہ گر ہوتا ہے۔ ایک مقام پر اختر حسین جعفری کی سمعی مثالوں کی ایک کاوش یوں نمایاں ہوتی ہے:

مرے بھی دامن میں ایک موتی ہے
ایک آواز کم شنیدہ ہے
ایک صبح شہود جو آج خود مری ذات کے خرابے سے
اتفاقاً مجھے ملی ہے
وہ روشنی جس پر آج برسوں کے بعد میں
منکشف ہوا ہوں (۹)

اس نظم میں شاعر آواز کو موتی سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس طرح موتی سیپ میں کئی عرصے کی رازداری کے بعد وجود میں آتا ہے اسی طرح معاشرے میں شاعر کی آواز بھی اس موتی کی مانند سچی ہوتی ہے اور بہت قیمتی ہوتی ہے۔ "کم شنیدہ" یہ آواز بہت نایاب ہے جو عام سماعت کا درجہ رکھنے والے لوگوں کی دسترس سے دور ہے۔ یہ آواز دراصل شاعر کے باطن کی آواز ہے اور یہی آواز اچانک منکشف ہونے والی روشنی سے تعبیر کی گئی یعنی سمعی تمثال نگاری کے ذریعے شاعر اپنے باطن کی آواز کو ظاہر کرتا ہے جو عام فہم نہیں بلکہ ذاتی اور روحانی تجربہ ہے۔ اختر حسین جعفری کی شاعری بھی ایک حساس انسان کی آواز کے طور پر گونجتی ہوئی سنائی دیتی ہے جو معاشرے کی کج رویوں اور ناہمواریوں کا شکار ہوتا ہے۔ کبھی یہ آواز سرگوشیوں کی شکل تو کبھی فغاں کا روپ دھار لیتی ہے، کبھی نوحہ بن کر اور کبھی نغمے بکھیرتی محسوس ہوتی ہے۔ "اداس قصے کے نوحے" میں بھی فطری آوازوں کو نظم کا حصہ بنایا ہے:

جنگل کا جنگل جب چپ ہے
پھر ایک پتھر کی خاموشی گھر گھر کیوں معتوب ہوئی ہے
قصہ کہنا، ایک پتھر کا
اس قصے کے جھوٹ اور سچ پر چپ رہنا
دونوں عالم گویائی کے
پانی بر سے یا بادل کے تال میں پورب پچھم گھومے
جل تھل کھیت کو، تشنہ دوختہ لب پتھر کو
اس پانی کی حسرت یکساں
تم بازار میں بکتی باتوں اور نالے کے گدلے

پانی کا بھاؤ کیوں پوچھتی ہو
جال اٹھاؤ، بال سمیٹو
پیاسے سے ہونٹ مری اس نم دیدہ چپ
کی آنکھ پہ رکھ دو (۱۰)

اس نظم کے ابتدائی حصے میں "جنگل کا جنگل جب چپ ہے" قاری کے ذہن میں مختلف آوازوں کا ایک خاکہ تصویر لے کر آتا ہے جس میں چرند پرند، پرندے اور کیڑوں مکوڑوں کی آوازیں شامل ہیں لیکن یہاں شاعر نے جنگل کی ایک منفرد امیج پیش کی کہ جب جنگل کا جنگل چپ ہے تو ہر چیز عالمِ سکوت میں نظر آتی ہے گویا وہاں زندگی کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ اس خاموشی کا قصہ کیا ہے؟ اس کہانی، اس قصے میں جھوٹ اور سچ دونوں پائے جاتے ہیں لیکن ان دونوں پر بھی مکمل خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ دونوں عالم (ظاہر و باطن) بھی چپ ہیں۔ بس ایک آواز جو وہاں سنائی دے رہی ہے وہ بارش اور بادل کے برسنے سے جو سکوت ٹوٹ جاتا ہے اور اس جل تھل میں مشرق اور مغرب گھومتے نظر آتے ہیں۔دراصل شاعر زندگی کے سکوت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اگرچہ زندگی میں طرح طرح کی آوازیں ہونے کے باوجود کئی قصے اور کہانیاں سماعت سے اوجھل ہوتے ہیں۔ پھر شاعر بازار کا امیج دکھاتا ہے۔ بھاؤ تاؤ کرتے گاہک اور چیزیں بیچنے والوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن شاعر بازار میں "بکتی باتیں" اور "نالے کے گدلے پانی کا بھاؤ" پوچھنے کا ذکر کر کے بازار کا نقشہ بھی ایک نئے رنگ سے دکھاتا ہے جس میں گاہک کا سوال پوچھنا سمعی پیکر تراشی کا منفرد روپ ہے۔ آخر میں شاعر "نم دیدہ چپ" کا ذکر کرتا ہے اور اپنے محبوب کو اپنے پاس بلاتا ہے تو قاری نہ صرف اس "چپ" کو محسوس کرتا ہے بلکہ اس خوبصورت ہجر و وصل کے تجربے کو بھی محسوس کرتا ہے۔

مجموعی طور پر اختر حسین جعفری کے ہاں حیات و کائنات کے عجائبات، تجربات اور مشاہدات کسی صورت بھی فنکارانہ صناعی سے کم نہیں۔ ان کے لفظی مرقعے آوازوں کی جھلمل میں جلوہ گر ہو کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ گویا ان کی پیکر تراشی کی آوازیں ایسا سحر طاری کر دیتی ہیں ہی جو شاعر کو ہمہ تن گوش کر دیتے ہیں اور یہ آواز قاری کےلیے خوب صورت تجربہ بن جاتی ہے۔ شاعر پر عظمتِ خیال اور شدتِ جذبات کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ خوب صورت تخیل کی مدد سے اپنی اچھوتی اور منفرد سمعی مثالیں تخلیق کرتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی شاعر کی اس خوبی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شاعر کے سامنے قوتِ تخیل کی بدولت تمام بے حس اشیا جان دار چیزیں بن جاتی ہیں۔ اس کے کانوں میں ہر طرف سے خوش آئند صدائیں آتی ہیں۔ زمین، آسمان، ستارے بلکہ ذرہ ذرہ اس سے باتیں کرتا ہے۔ قوتِ تخیل کے ذریعے اکثر شاعر ایک نیا دعوٰی کرتا ہے اور خیالی دلائل پیش کرتا ہے"(۱۱)

اختر حسین جعفری نے بھی سمعی تمثال گری کے لیے مجرد کو مجسم کر کے پیش کیا اور ان عجائباتِ فطرت کی جو آواز شاعر نے خود محسوس کی وہی آواز شاعر نے اپنی نظموں میں سمعی تمثالوں کے ذریعے استعمال کی۔ اس آواز نے نہ صرف قاری کے حسِ ذوق کو بیدار کر دیا بلکہ تاثیر اور تفہیم کے نئے در روشن کر دیے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اختر حسین جعفری کی سمعی تمثالیں اچھوتی، منفرد اور نایاب ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عبد الرحمن، مولانا، مرآۃ الشعر، لاہور: کتب خانہ نورس، ۱۹۵۰ء، ص ۵۸
۲۔ اختر حسین جعفری، آخری اجالا (کلیاتِ اختر حسین جعفری)، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۵
۳۔ ایضاً، ص ۴۵
۴۔ ایضاً، ص ۲۹۴
۵۔ ایضاً، ص ۱۱۰
۶۔ ایضاً، ص ۱۳۱
۷۔ ایضاً، ص ۲۹۶
۸۔ ایضاً، ص ۳۰۱
۹۔ ایضاً، ص ۳۱۸
۱۰۔ ایضاً، ص ۳۲۲
۱۱۔ شبلی نعمانی، مولانا، شعر العجم (جلد چہارم)، اعظم گڑھ: مطبوعہ معارف پریس، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰

Hawala Jaat

i. Abdur Rehman Moulana, Mirat u Sher, Lahore kutub khana Nourus, 1950, P.58
ii. Akhtar Hussain Jaffery, Aakhri Ujala (Kulliayt e Akhtar Hussain Jaffery), Sang e Meel publications, Lahore, 2008, P.165
iii. Aizan, P.45
iv. Aizan, P.294
v. Aizan, P.110
vi. Aizan, P.131
vii. Aizan, P.296
viii. Aizan, P.301
ix. Aizan, P.318
x. Aizan, P.322
xi. Shibli Noumani Molana, Sher ul Ajm (Jild 4) Matbooa Maarif Press Azam Garh, 1988, P.10